مولانا عبدالمجید سالک

ہندی مسلمانوں کی بیداری

خدا کی شان دیکھو، جس قوم نے ہندو قوم پر ایک ہزار سال تک نہایت جاہ و جلال سے حکومت کی آخر ایسی منزل پر پہنچ گئی کہ اس کو خود اپنے وجود کی حفاظت کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ وہ ہندو جاتی جس کو مسلمانوں نے تہذیب و ثقافت سے مالا مال کر کے مہذب قوموں کے پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیا، اب شب و روز اس فکر میں رہنے لگی کہ کبھی کسی طرح انگریزوں کو اپنا سرپرست بنا کر ہندوستان کے اندرونی کاروبارِ حکومت پر قابض ہو جائے۔ اور مسلمانوں کو انگریز اور ہندو کی دوگونہ چکی میں پیس کر بالکل بے جان کر دے۔ ہندو سلطنتِ مغلیہ کے دورِ آخر ہی سے اپنے راج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ شاہ جہان کے عہد میں دکن کی چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتیں بہت کمزور ہو چکی تھیں۔ ان میں سے بیجاپور کے ایک مرہٹہ رئیس کے بیٹے شیواجی نے حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ادھر ادھر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ جب مختلف حیلوں بہانوں سے اسے کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ تو وہ ہندو دھرم اور گائے کی حفاظت کا علم بردار بن کر ایک ہندو سلطنت قائم کرنے کے منصوبے باندھنے لگا۔ اور جب اس نیت سے مغل علاقوں کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ تو حکومت کے ایک منظم لشکر نے اس کی بغاوت کا استیصال کر دیا۔ شیواجی بے دست و پا ہو کر مغل بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے معافی دے کر اس کی جاگیر بحال کر دی۔ آخر میں اس نے مہاراجہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اور ہندوؤں کا بڑا ہیرو قرار پایا۔ یہاں تک کہ نیشنل کانگرس کے ایک بہت بڑے لیڈر بال گنگا دھر تلک نے اس کو ہندو جاتی کا بہت بڑا ممتاز ہیرو بنا کر مہاراشٹر میں اس کی تصویر کی پوجا شروع کرا دی۔ حالانکہ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار رہا تھا۔ اسی ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں کی قوم پرستی کا طول و عرض کیا تھا۔ اور تحریک آزادیٔ وطن کے پردے میں وہ متحدہ قومیت کا نہیں بلکہ ہندوؤں کا راج قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

انگریزوں کا عتاب: ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ لیکن جب یہ ہنگامہ ناکام ہوا۔ تو انگریزوں کا سارا عتاب مسلمانوں پر نازل ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے سلطنت مسلمانوں ہی سے چھینی ہے۔ اور انہیں اس قوم کی جہادآرائی اور نبرد آزمائی سے خطرہ ہے۔ ہندوؤں نے انتہائی ہوشیاری سے کام لے کر مسلمانوں کو تعزیر کا نشانہ بنانے میں انگریزوں کی طرفداری کی۔ مسلمانوں کے عہدے، ان کی جاگیریں، ان کے مناصب سب چھن گئے۔ ان کے شہزادے قتل کئے گئے۔ بے شمار مسلمانوں کو موت اور عبورِ دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔ ان کا آخری بادشاہ جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ سلطنت تو مٹی ہی تھی مسلم معاشرہ بھی خستہ حال اور بے دست و پا ہو گیا۔ اور ہندو روز بروز حکمرانوں کے محبوب بنتے گئے۔ اب گویا یہ صورت

پیدا ہوئی، کہ مسلمان انگریزوں سے عدم تعاون پر بیکار بند ہو گئے۔ اور ہندو انگریزوں کے دست و بازو بن گئے۔ انگریزی تعلیم حاصل کر کے تمام ملازمتوں پر قبضہ جما لیا۔ اور انگریزی اقتدار کی بنیادوں کو استوار کرنے اور مسلمانوں کے اقتدار کو بے نشان کر دینے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

ہندوؤں کی اقتصادی حالت مسلمانوں کے دورِ حکومت میں بھی بہت اچھی تھی۔ کیونکہ ہمیشہ فوجی اور دیگر ملازمتوں اور زراعت وغیرہ کے مشاغل میں مصروف رہے۔ اور تجارت تمام ہندوؤں کے قبضہ میں رہی۔ انگریزی راج میں ہندوؤں کا اقتصادی تسلط اور بھی بڑھ گیا۔ سودی کاروبار پر کوئی پابندی نہ تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے مہاجنی کا جال سارے ملک میں پھیلا دیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے پاس جو کچھ بچی کھچی جائدادیں موجود تھیں وہ ہندوؤں کی سود خواری کی نذر ہو گئیں۔ بنگال، سندھ، یوپی اور پنجاب کی زمینداریوں اور جاگیروں کا بہت بڑا حصہ ہندو مہاجنوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اور مسلمانوں کی بدحالی انتہا کو پہنچ گئی۔

سرسید احمد خاں نے اسی تباہی سے متاثر ہو کر اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ اور غیروں سے زیادہ اپنوں کی مخالفت نے قدم قدم پر اُن کا راستہ روکا۔ لیکن یہ بندۂ خدا اپنے عزم پر مضبوطی سے قائم رہا۔ اور مسلمانوں کی ذہنی، تعلیمی، معاشرتی اور اقتصادی اصلاح میں مصروف ہو گیا۔ تاکہ مسلمان اپنے ملکی حقوق میں اپنا حصہ سنبھالنے کے اہل ہو جائیں۔ جب مسلمانوں نے تعلیم کے حصول پر اپنی توجہ مرتکز کر دی، اور ہندوؤں کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا۔ تو اُنہوں نے نیابتی اور نمائندہ اداروں میں جو اُس وقت تک منصۂ شہود پر آچکے تھے مخلوط انتخاب منظور کرا دیا۔ جس کی وجہ سے اُن اداروں کے دروازے مسلمانوں پر عملاً بند ہو گئے۔ کیونکہ اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اور اُن سے یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے ووٹوں سے کسی مسلمان کو منتخب کرائیں گے۔

۱۸۸۵ء میں نیشنل کانگرس قائم کی گئی۔ اس کے بانی انگریز تھے۔ اس کے پہلے اجلاس کی صدارت بھی ایک انگریز نے کی۔ اور ہندو اس میں جوق در جوق شامل ہوئے۔ کہنے کو یہ جماعت ہندوستانیوں کی تھی۔ لیکن اس پر قبضہ ہندوؤں کا تھا۔ جو مسلمانوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں بے انصافی کر رہے تھے۔ ان حالات سے متاثر ہو کر سرسید نے مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہونے سے روکا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کانگرس میں کتنے ہی مسلمان شامل ہو جائیں وہ ہندو اکثریت کے مقابلے پر کوئی حیثیت حاصل نہیں کر سکتے۔
آخر ۱۹۰۶ء میں نواب محسن الملک نے سر آغا خاں کی سرکردگی میں اکابرِ اسلام کا ایک وفد مرتب کیا جس نے لارڈ منٹو وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہو کر جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ تاکہ مسلمان اپنے ووٹوں سے منتخب ہو کر نیابتی اداروں میں جا سکیں۔ اسی سال ڈھاکہ کے ایک جلسے میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ اگرچہ مسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں کوئی بیس سال بعد میدان میں آئے لیکن اُنہوں نے بہت جلد اپنے جوشِ عمل سے فرائضِ اسلامی اور فرائضِ وطنی کی بجا آوری کا بہترین ثبوت مہیا کر دیا۔
تقسیم بنگالہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن وائسرائے نے نظم و نسق کی سہولت کے لئے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جس سے مشرقی بنگال کی مُسلم اکثریت کی حالت بہتر ہو جانے کی توقع ہو گئی۔ لیکن اس امکان کو چند روشن خیال اور دانش مند مسلمان ہی محسوس کرتے تھے۔ عوام کو اس امر کا کوئی احساس نہ تھا۔ ہندو اس تقسیم پر بے حد جوش میں بھر گئے۔ کیونکہ وہ ملک کے کسی گوشے میں مسلمانوں کی

حالت بہتر ہو جانے کے روادار نہ تھے۔ اُنہوں نے بے حد پُر زور شورش برپا کی۔ اور کانگرس کے رہنماؤں نے بھی اس شورش میں حصّہ لیا۔ آخر حکومت نے گھبرا کر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا۔ اُس وقت مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں۔ نواب سر سلیم اللہ خان (ڈھاکہ) اور نواب وقار الملک نے اس فیصلۂ تنسیخ پر نہایت شدّت سے احتجاج کیا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور مسلمانوں کے قلوب میں حکمرانوں کے خلاف بے حد نفرت اور تلخی پیدا ہو گئی۔

جنگِ بلقان۔ اُسی زمانے میں طرابلس اور بلقان کی جنگیں پیش آئیں۔ خلافت عثمانیہ کو جو دنیا بھر میں مسلمانوں کا واحد سیاسی مرکز تھی، اٹلی، ریاست ہائے بلقان اور یورپ کی دوسری حکومتوں نے بے حد تنگ کیا۔ حکومت برطانیہ واضح طور پر دشمنانِ ترکی کی ہمدرد تھی۔ لیکن اب مسلمان وہ پرانے دہشت زدہ اور حواس باختہ مسلمان نہ رہے تھے۔ انہوں نے نہایت بیباکی سے حکومت برطانیہ کے اس رویّے کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ ترکوں کی مالی۔ قلمی۔ لسانی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس دور میں انہوں نے ڈاکٹر انصاری کی سرکردگی میں ایک طبی وفد ترکی بھیجا جس سے مسلمانانِ ہند کے اور مسلمانانِ ترکی کے درمیان برادرانہ تعلقات از سرِ نو قائم ہوئے۔

سانحہ کانپور۔ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کانپور کی ایک مسجد کا ایک حصّہ وہاں کی میونسپل کمیٹی نے گرا دیا۔ کیونکہ ایک سڑک سیدھی کرنا مقصود تھا۔ مسلمان خانۂ خدا کی اس بے حرمتی پر آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے منہدم شدہ حصے کا ملبہ اٹھانا شروع کیا۔ پولیس نے روکا لیکن وہ نہ رکے۔ آخر فوج طلب کی گئی۔ اور نہتے ہجوم پر گولی چلا دی گئی۔ جس سے بے شمار فرزندانِ توحید شہید اور مجروح ہوئے۔ ہندوستان بھر کے مسلمان اس حادثہ سے بے حد متألم ہوئے۔ لیکن کانگریس نے جسے ہندوستانیوں کی قومی جماعت ہونے کا دعوٰی تھا مسلمانوں کی اس مظلومی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ حالانکہ طرابلس و بلقان اور مسجد کے معاملات کا کوئی مُضر اثر ہندوؤں پر کسی طرح بھی نہ پڑتا تھا۔ لیکن چونکہ ہندو مسلمانوں کے جوشِ ایمان کے روادار نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے ان سے ہمدردی کا اظہار تک نہ کیا۔

وحشیانہ مظالم۔ اس زمانے میں ذبیح گاؤ پر متعدد مقامات پر بلوے ہوئے جن میں ہندوؤں نے مسلمانوں سے انتہائی وحشت و بربریت کا برتاؤ کیا۔ ہردوار کے قریب کتارپور میں بیس مسلمان زندہ جلا دیئے گئے۔ اور اعظم گڑھ (یو۔ پی) اور بہار میں بھی ایسے ہی افسوسناک حالات پیش آئے۔ کانگرس کے رہنماؤں اور دوسرے ہندوؤں نے ہندو غنڈوں کی ان حرکات کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہا۔

جنگِ عظیم۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی جس میں حکومت ترکی برطانیہ کے خلاف صف آرا تھی۔ چونکہ مسلمان سلطانِ ترکی کو مسندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا خلیفہ مانتے تھے، اس لئے برطانیہ کے خلاف ان کے قلوب میں انتہائی عناد پیدا ہو گیا۔ مولانا محمد علی نے "ترکوں کی پسند" کے عنوان سے اپنے اخبار میں ایک مضمون لکھا۔ جو "لندن ٹائمز" کے ایک مقالے کا جواب تھا۔ حکومت ہند نے مولانا محمد علی کو پہلے مہرولی میں پھر چھندواڑہ اور بیتول (سی۔ پی) میں نظر بند کر دیا۔ اور

ان کے اخبار بند ہو گئے۔ مولانا ظفر علی خان کرم آباد میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اور "زمیندار" بھی بند ہو گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا "الہلال" بھی بند ہو گیا۔ اور مولانا بھی نظر بند کر دیئے گئے۔ ان کے علاوہ متعدد دیگر غیور مسلم خادمان قوم بھی نشانہ تشدد بنائے گئے

میثاقِ لکھنؤ۔ دوران جنگ میں ہندوستان کو مزید سیاسی اصلاحات دینے کا سر و سامان شروع ہوا۔ تو لکھنؤ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں کے موقع پر "میثاق لکھنؤ" مرتب ہوا۔ یہ ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ پر جوش اور عالم مقبول لیڈر تو نظر بند تھے اور جو لیڈر باہر تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ ہندو واقعی کسی مفاہمت پر آمادہ ہیں۔ اس میثاق پر دستخط کر دیئے۔ اس میثاق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم اقلیت کے صوبوں کو ازاندازہ استحقاق کچھ نشستیں مل گئیں۔ جو بالکل بے سود تھیں لیکن پنجاب اور بنگال کی اکثریت زائل ہو گئی۔

جب ۱۹۲۱ء میں اصلاح شدہ کونسلیں قائم ہوئیں۔ تو انگریزوں اور سرکاری افسروں کا حصہ علیحدہ ہو جانے سے پنجاب کونسل میں مسلمانوں کا تناسب ۴۳ فی صدی اور بنگال کونسل میں صرف ۳۲ فیصدی تھا۔ حالانکہ دونوں صوبوں میں مسلمانوں کا تناسب آبادی ۵۶۔ اور ۵۴ فیصدی تھا۔

خلافت اور ترکِ موالات۔ ۱۹۱۸ء کے اواخر میں جنگ عظیم ختم ہو گئی۔ ترکی شکست کھا کر بدحال ہو گیا۔ خلیفۃ المسلمین انگریزوں کی قید میں تھے۔ ترکی پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ مصالحت کی گفت و شنید کے بعد معاہدہ سیورے ہوا۔ جو ترکوں کے لئے پیام اجل تھا۔ ادھر ۱۹۱۹ء میں گاندھی جی نے رولٹ ایکٹ کے خلاف ہڑتالیں کرائیں۔ جا بجا فسادات ہوئے۔ امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی گولیوں نے کم و بیش دو ہزار ہندو مسلمانوں اور سکھوں کو ہلاک و زخمی کیا۔ پنجاب کے متعدد شہروں میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اور عوام کی مظلومی انتہا کو پہنچ گئی۔ ۱۹۱۹ء کے آخر میں کانگریس۔ مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہوئے۔ اس وقت مسئلہ خلافت اور مظالم پنجاب کی وجہ سے بظاہر ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات بے حد خوشگوار ہو گئے۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان نظر بندی سے رہا ہو کر امرتسر پہنچ گئے۔ گاندھی جی کو سب قوموں نے اپنا رہنما تسلیم کیا۔ اور گاندھی جی نے کانگریس میں خلافت کے مسئلہ پر مسلمانوں کے جذبات کی تائید کا ریزولیوشن پاس کرایا۔ ۱۹۲۰ء کے اگست میں ملک کے لیڈروں نے جن میں ہندو مسلمان اور علمائے کرام بھی شامل تھے، ترک موالات یا عدم تعاون کا فیصلہ کیا۔ اور پورا ملک تحریک حریتِ وطن کے غلغلے سے گونج اٹھا۔

ترک موالات کے پروگرام میں انگریزی درسگاہوں۔ انگریزی عدالتوں۔ انگریزی کونسلوں اور انگریزی ملازمتوں کے مقاطعہ پر زور دیا گیا۔ اور کئی لاکھ ہندوستانی جن میں بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ جیل خانوں میں چلے گئے۔ مسلم رہنما بھی جو ۱۹۱۹ء کے آخر میں نظر بندی سے رہا ہوئے تھے، دوبارہ جیل خانوں میں بھیج دیئے گئے۔ یہ امر مسلم ہے۔ کہ کانگریس کو اس دور میں جو قوت واہمیت حاصل ہوئی، وہ سب محمد علی۔ شوکت علی۔ ابوالکلام آزاد۔ ظفر علی خان۔ حکیم اجمل خان۔ ڈاکٹر انصاری۔ حسرت موہانی اور دوسرے مشاہیر اکابر ملت کی قوت عمل کی ممنون احسان تھی جن کو آج کل کا ہندوستان بالکل فراموش کر چکا ہے۔ اور ایک آدھ زندہ لیڈروں کے سوا باقی سب یاد کو ہمیشہ کے لئے دفن کئے بیٹھے ہے۔ کیونکہ "بدقسمتی" سے وہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے علم بردار تھے۔ اور

یہ زندگی ہندوؤں کے نزدیک سخت ناپسندیدہ چیز تھی۔

شدھی اور سنگھٹن۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مسئلہ خلافت میں ہندو لیڈروں نے مسلمانوں کی جو تائید کی تھی۔ وہ اس احساس کے ماتحت تھی۔ کہ مسلمانوں کا آخری سیاسی سہارا یعنی ترکی تو ختم ہو چکا ہے اب وہ دوبارہ زندہ کیا ہوگا۔ اس لئے اس وقت مسلمانوں کی تائید "مفت کرم داشتن" کی مترادف ہوگی۔ لیکن جب غازی اتاترک کی شمشیر خارا شگاف نے چند ہی مہینے کے اندر فتح مند اتحادیوں کی تمام کامرانیوں کو خاک میں ملا کر ترکوں کو حیات تازہ بخش دی۔ تو پنڈت مالوی جیسے اکابر ہنود چونک اُٹھے اور انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو جسے وہ ہندو راج کے منصوبے میں حائل سمجھتے تھے ختم کر دینے کا عزم کر لیا۔ اور سنگھٹن اور شدھی کے فتنے کھڑے کر دیئے۔ سنگھٹن کا مقصد یہ تھا کہ ہندو قوم مضبوط اور متحد ہو جائے۔ اور شدھی کا مطلب یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے سوامی شردھانند نے آگرہ کے آس پاس ملکانہ راجپوتوں کو وسیع پیمانے پر آریہ بنانے کی مہم شروع کر دی بس پھر کیا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد خواب و خیال ہوگیا۔ فرقہ دار فسادات کے شعلے ملک بھر میں بلند ہونے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم الشان اور مقدس شخصیت کے خلاف گالیوں سے بھری ہوئی کتابیں شائع ہونے لگیں۔ غرض مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال انگیزی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

گاندھی اصلی رنگ میں۔ گاندھی جی جیل میں تھے۔ جب رہا ہوئے اور ان سے سنگھٹن اور شدھی کی شکایت کی گئی تو انہوں نے کہا "مسلمان دنگئی اور ہندو بزدل ہیں۔ میں ان میں کیونکر مفاہمت کرا سکتا ہوں۔ اب تو کوئی میری بات سننے کو تیار نہیں"۔ مولانا محمد علی اور دوسرے مسلمان رہنما بے حد کوشش کرتے رہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح حالات درست ہو جائیں۔ لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اتنے میں مزید اصلاحات کے لئے "سائمن کمیشن" مقرر ہوا۔ تو پھر تصفیہ حقوق کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی خاصی تعداد نے کمیشن سے مقاطعہ کیا۔ اور کوشش ہونے لگی۔ کہ ایک متحدہ دستور وضع کر کے حکومت برطانیہ کو بھیج دیا جائے۔ سیاسی جماعتوں کی ایک کانفرنس بھی منعقد کی گئی لیکن کئی روز کے بحث و مباحثہ کے بعد لیڈر کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔

نہرو رپورٹ۔ گاندھی جی نے دستور وضع کرنے کے لئے پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کر دی۔ اس کمیٹی نے جو مسودہ مرتب کیا۔ اس کو نہرو رپورٹ کہتے ہیں۔ اس میں آزادی کامل کی بجائے درجہ نو آبادیات نصب العین مقرر کیا گیا۔ مرکز میں حکومت کو قوی اور مسلط کیا گیا۔ تجارت میں انگریزوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی۔ لیکن مسلمانوں کے تقریباً تمام مطالبات غارت کر دیئے گئے۔ جن میں بعض پر نہایت کڑی شرطیں لگا دی گئیں۔

ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے اس مسودہ دستور کی مخالفت کی۔ مسلم لیگ اور مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء جو اب تک کانگریس کا دم چھلا بنی ہوئی تھیں، کانگریس سے بالکل بالگ ہوگئیں۔ اور نہرو رپورٹ کے خلاف پورا اسلامی ہند متفق ہوگیا۔ مولانا محمد علی بیمار ہو کر علاج کے لئے یورپ گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے نہرو رپورٹ کو پڑھا۔ تو فرمایا کہ اس دستاویز کا مفہوم یہ ہے۔

"خلقت خدا کی ملک انگریز کا حکم ہندو سبھا بہادر کا"

لکھنؤ میں مسلم جماعتوں کا جو اجلاس ہوا۔ اس نے بھی نہرو رپورٹ کی پُرزور مخالفت کی۔ لیکن گاندھی جی اور کانگرسی لیڈر اس میں ذرہ برابر ترمیم کرنے پر بھی رضامند نہ ہوئے۔ کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن منعقد ہوئی۔ اس وقت مسلم لیگ دو جماعتوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک میاں محمد شفیع کی لیگ کہلاتی تھی۔ دوسری جناح لیگ۔ اس کنونشن میں جناح صاحب کی لیگ شامل ہوئی مولانا محمد علی بھی شامل ہوئے۔ اور صرف چند ترمیمیں پیش کیں۔ لیکن وہ بھی ہندو لیڈروں نے تسلیم نہ کیں۔ عین اس وقت یعنی ۱۹۲۹ء کے آخری دن اور ۱۹۳۰ء کے روزِ اوّل کو دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں جمعیۃ العلماء مجلس خلافت شفیع لیگ اور ملک بھر کی مجالس قانون ساز کے مسلم نمائندے زیرِ صدارت سر آغا خان جمع ہوئے اور اتفاق آراء سے قرار پایا کہ مسلمانوں کے مطالبات یہ ہیں۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو تناسب آبادی کے اعتبار سے اکثریت دی جائے۔ اقلیت کے صوبوں میں زائد از استحقاق نشستیں دی جائیں۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے مستقل صوبہ بنایا جائے۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو پوری اصلاحات دی جائیں۔ مرکز میں مسلمانوں کا حصہ ایک تہائی ہو۔ اختیارات مالقی صوبوں کو دیئے جائیں۔ اس اجتماع نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس کو مستقل صورت دے دی۔ مولوی شفیع داؤدی اس کے سکریٹری قرار پائے۔ جنہوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں کانفرنس کے زیرِ اہتمام جلسے کرائے۔ جن میں مسلمانوں کی تائید بدرجہ اتم کی گئی۔

جناح کے نکات۔ مسٹر محمد علی جناح چونکہ آل پارٹیز کنونشن کو ہندو لیڈروں کے تعصب سے سخت بیزار ہو کر چھوڑ آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کے متعلق چودہ نکات مرتب کئے جو بالکل وہی تھے جو آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرارداد میں شامل تھے۔ اس پر شفیع لیگ اور جناح لیگ دونوں ایک ہو گئیں۔ اور مطالبات پر پورا اسلامی ہندوستان متفق ہو گیا۔ اب گویا ہندوستان کے ہندو لیڈروں کا غلط دعویٰ تو یہ تھا، کہ کانگرس تمام اہلِ ملک کی نمائندہ ہے۔ اور نہرو رپورٹ سارے ملک کا متفقہ دستور ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ دس کروڑ مسلمانوں کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتیں اور ان کے ممتاز رہنما اس مسودۂ دستور سے سخت بیزار تھے۔ اور اپنے مطالبات متفقہ طور پر پیش کر چکے تھے۔ ہندو لیڈروں کے دماغوں میں ہندو راج کے سوا کوئی بات نہ تھی۔ اور وہ دن رات اس کوشش میں منہمک تھے۔ کہ کسی نہ کسی حکومت برطانیہ نہرو رپورٹ کو آئندہ دستور کے طور پر منظور کر لے۔

گول میز کانفرنس۔ اسی دوران میں انگریزوں نے گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ گاندھی جی نے مطالبہ کیا کہ گول میز کانفرنس میں کانگریس کو سب سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔ اور یہ یقین دلایا جائے کہ لندن میں فرقہ دار معاملات پر کوئی بحث نہ چھیڑی جائے گی۔ جب یہ مطالبہ پورا نہ ہوا۔ تو گاندھی جی نے سنہ ۱۹۳۰ء کو سول نافرمانی کا اعلان کر دیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ اگر انگریز ہندو راج کے قیام میں معاون نہیں ہوتے۔ تو ان کو قوت سے دبانے کی کوشش کی جائے۔ سال بھر سول نافرمانی ہوتی رہی مسلمان اس سے بالکل الگ رہے۔ آخر گاندھی جی نے حکومت سے صلح کر لی۔ حالانکہ ان کا کوئی بھی مطالبہ پورا نہ ہوا تھا

معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلی گول میز کانفرنس کے بعض ہندو ممبران نے گاندھی جی کو یقین دلا دیا تھا کہ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ اور بعض دوسرے وزراء مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کی طرف مائل ہیں۔ اس لئے آپ فکر نہ کیجئے۔ گاندھی جی لندن جانے پر رضامند ہو گئے۔ وہاں پہنچتے ہی فرقہ دارانہ مسائل سامنے آئے۔ گاندھی جی نے تصفیہ کے لئے جو تجویزیں پیش کیں۔ وہ ہندوؤں اور سکھوں نے رد کر دیں۔ گاندھی جی کہتے تھے۔ کہ اگر اچھوت ہندوؤں سے علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ تو مسلمان انکی تائید نہ کریں۔ ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کے مطالبات منظور کر لیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اچھوتوں کی کثیر تعداد سے ہندو بدستور فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اور ہندو اکثریت کے قیام کی خاطر اچھوتوں کو بدستور ہر قسم کے جداگانہ حقوق سے محروم رکھا جائے مسلمان اس معاملے میں ہندوؤں کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے گاندھی جی کی پیشکش ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

فرقہ وار فیصلہ۔ ادھر گاندھی جی کو فرقہ وارانہ مسائل کے حل میں پے در پے ناکامیاں ہو رہی تھیں اور ادھر مالوی جی مسٹر رامزے میکڈانلڈ سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ آخر میں انہوں نے گاندھی جی کو یقین دلا دیا۔ کہ اگر فرقہ وار تصفیہ کا معاملہ وزیر اعظم کی ثالثی پر چھوڑ دیا جائے۔ تو ان کا فیصلہ ہندوؤں کے خلاف نہ ہوگا۔ مالوی جی نے دوسرے ہندو لیڈروں کو ساتھ ملا کر وزیر اعظم کی خدمت میں ثالثی کی درخواست پیش کر دی۔ لیکن مسلمانوں نے ثالثی پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ کہ وہ کسی ثالث مطلق کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جو فیصلہ ہوگا۔ اس کو دیکھ کر منظوری یا نامنظوری کا اعلان کریں گے۔ گاندھی جی نے وزیر اعظم اور مالوی جی کی یقین دہانی کے چکر میں آ کر خود بھی وزیر اعظم کو ایک خط لکھ دیا۔ اور ان کی ثالثی کی تائید کر دی۔ لیکن جب اگست ۱۹۳۲ء میں فرقہ وار فیصلے کا اعلان ہوا۔ تو وہ خاصی حد تک مسلمانوں کے حق میں تھا اور اچھوتوں کو بھی علیحدہ نمائندگی دے دی گئی تھی۔ اس پر ہندوؤں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ گاندھی جی نے جب دیکھا۔ کہ ہندو اکثریت کے راج کا منصوبہ خاک میں ملا جا رہا ہے۔ تو انہوں نے "مرن برت" کا اعلان کر دیا۔ اور کہا کہ وہ جان دے دیں گے۔ لیکن اچھوتوں کو سیاسی اعتبار سے ہندوؤں سے الگ نہ ہونے دیں گے۔ آخرکار ہنود نے اچھوتوں کو کچھ دے دلا کر راضی کر لیا۔ اور گاندھی جی کا "مرن برت" ختم ہوا۔

ہندوؤں کی تنگ نظری۔ اب پھر اتحاد کانفرنسیں شروع ہوئیں لیکن اس صورت میں کہ حکومت برطانیہ مسلمانوں کے بعض مطالبات منظور کر چکی تھی۔ تو مسلمان ہندوؤں کے ساتھ اسی حالت میں تصفیہ کر سکتے تھے۔ کہ ہندو انہیں برطانیہ کے مقابلے میں کچھ زیادہ مراعات پیش کریں۔ اور یہ ممکن نہ تھا۔ لہٰذا کانفرنسیں ناکام ہوئیں۔ اور دنیا نے سمجھ لیا کہ یہ ہندو لیڈروں کی طرف سے اپنی اکثریت کو موثر رکھنے کی آخری کوشش تھی۔ اچھوتوں کے معاملے میں ہندوؤں نے جو رویہ اختیار کیا۔ اس کی وجہ سے ان کی خاصی بدنامی ہوئی۔ مولانا محمد علی جیسے مجاہد حریت اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی نے ایک تقریر میں ارشاد فرمایا۔

> یقیناً ہندو جاتی ساری دنیا میں اپنی تنگ نظری کے اعتبار سے نمایاں ہے۔ کسی ملت نے اس تنگ نظری کا ثبوت نہیں دیا کہ خود اپنے ہی فرقوں کو اچھوت سمجھا ہو۔ صدیوں سے سب ہندو نہ ایک دوسرے کو بیٹی دے سکتے

ہیں۔ نہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھا سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سب ہندو ایک مندر میں یکجا نہیں ہوسکتے۔ نہ سب جگہ سب کے لئے عام سڑکیں ہی کھلی ہوئی ہیں۔ جو جاتی اس درجہ خود غرضی کا شکار ہو اس پر دوسری ملتیں کس طرح اعتماد کرسکتی ہیں۔ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب اس قدر فرقہ بندی کا باعث نہیں بنے جس قدر ہندوؤں کی فرقہ بندی اس کا سبب بنی۔

اقبال کا خواب۔ علامہ اقبال ۱۹۲۹ء سے مسلم لیگ میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے کام کر رہے تھے۔ وہ پہلے شفیع لیگ کے سکریٹری بنے۔ پھر آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں اسی مقصد کے لئے کام کیا۔ گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں بمقام الہ آباد مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس ہوا، اُس کی صدارت علامہ نے فرمائی۔ اور خطبہ صدارت میں ایک تاریخی اعلان فرمادیا جس میں پاکستان کا ذکر کئے بغیر وہ تجویز بیان کردی جو قیام پاکستان کی پہلی بنیادی اینٹ ثابت ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

"مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع اُن تمام مطالبات کی نہایت شد و مد سے تائید کرے گا جو اس قرارداد میں موجود ہیں (آل مسلم پارٹیز کانفرنس کی قرارداد) ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے یا باہر رہ کر۔ مجھے تو نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔"

یہی وہ پیر مشرق کا خواب تھا جس کی تعبیر بعد میں قائد اعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں نکلی۔ اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوگیا۔

قائد اعظم کی رہنمائی۔ ۱۹۳۲ء کے بعد ملک کی سیاسی کیفیت یہ تھی۔ کہ ہندو لیڈر فرقہ وار فیصلے پر بہت مضطرب تھے۔ اور کانفرنسیں منعقد کر کے کوشش کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان مخلوط انتخاب ہی کو تسلیم کرلیں۔ تاکہ فرقہ وار فیصلے سے اُنہیں جو طاقت حاصل ہوئی ہے وہ غیر مؤثر ہوجائے۔ علامہ اقبال آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے تمام مسلمانانِ ہند کے سیاسی جہاز کے ناخدا بنے ہوئے تھے۔ اُنہی دنوں کشمیر اور الور میں مسلمانوں پر مظالم ہوئے، جن کے خلاف ملک بھر کی مسلم رائے عامہ کو بیدار اور منظم کیا گیا۔ مسلم لیگ بالکل بے روح اور بے کار ہو رہی تھی۔ مسٹر محمد علی جناح مسلمانوں کے انتشار سے تنگ آکر انگلستان ہی میں مقیم ہوگئے تھے۔ مخلوط انتخاب کے حامی اور نیشنلسٹ مسلمان بھی ہندوؤں کی احسان فراموشی کی نوحہ خوانی میں مصروف تھے۔ اگر ملک کی فضا میں اسلامی سیاست کا کچھ غلغلہ باقی تھا تو وہ آل انڈیا مسلم کانفرنس (اب آل پارٹیز مسلم کانفرنس اسی نام سے موسوم تھی) اور اس کے صدر علامہ اقبال کی وجہ سے تھا۔ آخر ۱۹۳۴ء میں مسٹر محمد علی جناح انگلستان سے واپس آگئے۔ اور مسلم لیگ میں نئی زندگی کی روح پھونکنے میں مصروف ہوگئے۔ ۱۹۳۵ء میں جدید اصلاحات نافذ ہوگئیں۔ اور انتخابات سر پر آگئے۔ اب مسلم لیگ کی

تنظیم وتقویت ضروری ہوگئی۔ چنانچہ جناح صاحب نے ملک بھر کا دورہ شروع کردیا۔

اُنہی دنوں ملت نے جناح صاحب کو اپنا قائدِ اعظم تسلیم کیا۔ علامہ اقبال علالت کی وجہ سے سیاست کے عملی حصے سے دست بردار ہو چکے تھے۔ لیکن قائدِ اعظم کو وہ خطوط لکھ رہے تھے۔ جو "لیٹرز ٹو جناح" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ قائدِ اعظم نے ان خطوط کے دیباچے میں اعتراف کیا ہے۔ کہ لیگ کی مرکزی پارلیمنٹری پارٹی کے قیام اور عوام کو ایک پرچم تلے متحد کرکے انتخابات کے لئے تیار کرنے کا کام صرف اُس وقت تکمیل کو پہنچا، جب مجھے سر محمد اقبال جیسے مخلص دوستوں کی بیش قیمت امداد حاصل ہوئی۔

قیامِ پاکستان۔ جنگِ عظیم دوم ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی۔ اُس وقت کانگرس جدید آئین کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی۔ لیکن تھوڑی سی حیص بیص کے بعد آمادہ ہوگئی۔ اور بہت سے صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہوگئیں۔ ڈھائی سال تک ان لوگوں نے نظم ونسق کو اس انداز سے چلایا۔ کہ ملک بھر کے مسلمان چیخ اُٹھے۔ اور اُنھیں ہندو راج کا جلوہ نظر آگیا۔ آخر جب کانگرس نے کونسلوں سے پھر علیحدگی اختیار کی۔ تو قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو "یوم نجات" منانے کا حکم دیا۔ اب حالات بالکل واضح ہو چکے تھے۔ ملک کے بعض حصوں میں فرقہ وار بلووں نے خاصی خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی تھی۔ اب قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی مسلمانوں کی علیحدگی کے قائل ہوگئے تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء کے ماہِ مارچ میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں اسلامی ہند نے سب سے پہلے پاکستان کی قرارداد منظور کی۔

چھ سال کی جدوجہد کے بعد کانگرس اور حکومت برطانیہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ مطالبۂ پاکستان کو منظور کرلیں۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں مشرقی اور مغربی پنجاب کے درمیان ایسے حالات پیدا کردئے گئے۔ کہ تبادلۂ آبادی بہت زور شور سے شروع ہوا۔ اور لاکھوں ہندو اور سکھ مشرق کو اور لاکھوں مسلمان مغرب کو منتقل ہوگئے۔ اس ہنگامے میں دونوں طرف جان ومال کے عظیم نقصانات ہوئے۔ لیکن مسلمانانِ ہندوستان نے اپنی جدوجہد سے ہندوستان کے شمالی اور مشرقی حصوں میں اپنے لئے ایک آزاد مملکت قائم کرلی تھی۔ اور دنیا کے معزز اسلامی ممالک میں آزاد پاکستان کا اضافہ ہوگیا تھا۔

مسلم ثقافت ہندوستان میں

مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک

قیمت بارہ روپے

ملنے کا پتہ: سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور